

# تفہیم القرآن التَّائِيل

نام | پہلے ہی لفظ والتَّائِيل کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کا مضمون سورہ شمس سے اس قدر مشابہ ہے کہ یہ دونوں سورہیں ایک دوسرے کی تفسیر محسوس ہوتی ہیں۔ ایک ہی بات ہے جسے سورہ شمس میں ایک طریقہ سے سمجھایا گیا ہے اور اس سورہ میں دوسرے طریقہ سے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے میں نازل ہوئی ہیں۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع زندگی کے دو مختلف راستوں کا فرق اور ان کے انجام اور نتائج کا اختلاف بیان کرنا ہے۔ مضمون کے لحاظ سے یہ سورہ دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ آغاز سے آیت ۱۱ تک ہے، اور دوسرا حصہ آیت ۱۲ سے آخر تک۔

پہلے حصہ میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ نوع انسانی کے افراد، اقوام اور گروہ دنیا

میں جو سعی و عمل بھی کر رہے ہیں، وہ لازماً اپنی اخلاقی نوعیت کے لحاظ سے اُسی طرح مختلف ہیں، جس طرح دن رات سے اور نر مادہ سے مختلف ہے۔ اس کے بعد قرآن کی مختصر سورہوں کے عام

انداز بیان کے مطابق تین اخلاقی خصوصیات ایک نوعیت کی، اور تین اخلاقی خصوصیات دوسری

نوعیت کی سعی و عمل کے ایک وسیع مجموعے میں سے لے کر بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جنہیں سن کر ہر شخص

بڑی آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک قسم کی خصوصیات کس طرز زندگی کی نشاندہی کرتی ہیں

اور دوسری قسم کی خصوصیات اُس کے برعکس کس دوسرے طرز زندگی کی علامات ہیں۔ یہ دونوں نمونے

ایسے چھوٹے چھوٹے خوبصورت چھ تئیں فقرہوں میں بیان کیے گئے ہیں کہ سنتے ہی آدمی کے دل میں

اُتر جائیں اور زبان پر چڑھ جائیں پہلی قسم کی خصوصیات یہ ہیں کہ آدمی مال دے، خدا ترسی نہ

پر ہر نگاری اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے۔ دوسری قسم کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ نخل کرے، خدا کی رضا اور ناراضی کی فکر سے بے پروا ہو جائے اور بھلی بات کو جھٹلا دے۔ پھر تنبیا گیا ہے کہ یہ دو طرز عمل جو صریحاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اپنے نتائج کے اعتبار سے ہرگز یکساں نہیں ہیں، بلکہ جس قدر یہ اپنی نوعیت میں متضاد ہیں اسی قدر ان کے نتائج بھی متضاد ہیں۔ پہلے طرز عمل کو جو شخص یا گروہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے زندگی کے صاف اور سیدھے راستے کو سہل کر دیگا بیان تک کہ اس کے لیے نیکی کرنا آسان اور بدی کرنا مشکل ہو جائے گا اور دوسرے طرز عمل کو جو بھی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے زندگی کے بگڑے اور سخت راستے کو سہل کر دیگا بیان تک کہ اس کے لیے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گی۔ اس بیان کو ایک نہایت مؤثر اور تیرک طرح دل میں پیوست ہو جانے والے جملے پر ختم کیا گیا ہے کہ دنیا کا یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دے دیتا ہے، آخر قبر میں تو اُس کے ساتھ جانے والا نہیں ہے، مرنے کے بعد یہ اُس کے کس کام آئے گا؟

دوسرے حصے میں بھی اسی اختصار کے ساتھ تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسان کو بے خبر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اُس نے یہ تبا دینا اپنے ذمہ لیا ہے کہ زندگی کے مختلف راستوں میں سے سیدھا راستہ کونسا ہے۔ اس کے ساتھ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ اپنا رسول اور اپنی کتاب بھیج کر اُس نے اپنی یہ ذمہ داری ادا کر دی ہے، کیونکہ رسول اور قرآن دونوں ہدایت دینے کے لیے سب کے سامنے موجود تھے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ دنیا مانگو گے تو وہ بھی اسی سے ملے گی اور آخرت مانگو گے تو اس کا دینے والا بھی وہی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا اپنا کام ہے کہ تم اُس سے کیا مانگتے ہو۔ تیسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو بد بخت اُس بھلائی کو جھٹلاتے گا جسے رسول اور کتاب کے ذریعہ سے پیش کیا جا رہا ہے، اور اُس سے منہ پھیرے گا اُس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ اور جو خدا ترس آدمی پوری بے غرضی کے ساتھ محض اپنے رب کی رضا جوئی کی خاطر اپنا مال راہِ خیر میں صرف کرے گا اس کا رب اُس سے راضی ہوگا اور اسے اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے، اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو، اور اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور دُعا کی نافرمانی سے، پرہیز کیا، اور بھلائی کو پیچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دینگے۔ اور

لے یہ وہ بات ہے جس پر رات اور دن اور نہ مادہ کی پیدائش کی قسم کھائی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات اور دن اور نہ مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور ان میں سے ہر دو کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں، اسی طرح تم لوگ جن راہوں اور مفاصل میں اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے مختلف اور اپنے نتائج کے اعتبار سے متضاد ہیں۔ اس کے بعد کی آیات میں بتایا گیا کہ یہ تمام مختلف کوششیں دو بڑی اقسام میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یہ انسانی مساعی کی ایک قسم ہے جس میں تین چیزیں شمار کی گئی ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام خوبیوں کی جامع ہیں۔ ایک یہ کہ انسان زبردستی میں مبتلا نہ ہو بلکہ کھلے دل سے اپنا مال، جتنا کچھ بھی اللہ نے اُسے دیا ہے، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، اور خلقِ خدا کی مدد کرنے میں صرف کرے۔ دوسرے یہ کہ اُس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ اخلاق، اعمال، معاشرت، معیشت، غرض اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اُن کاموں سے پرہیز کرے جو خدا کی ناراضی کے موجب ہوں۔ تیسرے یہ کہ وہ بھلائی کی تصدیق کرے۔ بھلائی ایک وسیع المعنی لفظ ہے جس میں عقیدے، اخلاق اور اعمال، تینوں کی بھلائی شامل ہے۔ عقیدے میں بھلائی کی تصدیق یہ ہے کہ آدمی شرک اور دہریت اور کفر کو چھوڑ کر توحید، آخرت اور رسالت کو برحق مانے۔ اور اخلاق و اعمال میں بھلائی کی تصدیق یہ ہے کہ آدمی سے بھلائیوں کا صدور محض بے شعوری کے ساتھ کسی متعین نظام کے بغیر نہ ہو رہا ہو، بلکہ وہ خیر و صلاح کے اُس نظام کو صحیح تسلیم کرے جو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے، جو بھلائیوں کو اُن کی تمام اشکال اور صورتوں کے ساتھ ایک نظم میں منسلک کرتا ہے، جس کا جامع نام شریعتِ الہیہ ہے۔

یہ ہے مساعی کی اس قسم کا نتیجہ۔ آسان راستہ سے مراد وہ راستہ ہے جو انسان کی فطرت کے مطابق ہے، جو اُس خالق کی مرضی کے مطابق ہے جس نے انسان کو اور ساری کائنات کو بنایا ہے، جس میں انسان کو اپنے ضمیر سے لڑ کر نہیں چھپنا پڑتا، جس میں انسان اپنے جسم و جان اور عقل و ذہن کی قوتوں پر زبردستی کر کے اُن سے وہ کام نہیں لیتا جس کے لیے یہ طاقتیں اُس کو نہیں بخشی گئی ہیں بلکہ وہ کام لیتا ہے جس کے لیے درحقیقت اُس

کو بخشی گئی ہیں، جس میں انسان کو ہر طرف اُس جنگ، مزاحمت اور کشمکش سے سابقہ پیش نہیں آتا جو گناہوں سے بھری ہوئی زندگی میں پیش آتا ہے، بلکہ انسانی معاشرے میں ہر قدم پر اس کو صلح و آشتی اور قدر و منزلت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو آدمی اپنا مال خلقِ خدا کی بھلائی کے لیے استعمال کر رہا ہو، جو ہر ایک سے نیک سلوک کر رہا ہو، جس کی زندگی جرائم، فسق و فجور اور بدکرداری سے پاک ہو، جو اپنے معاملات میں کھرا اور راست باز ہو، جو کسی کے ساتھ بے ایمانی، بدعہدی اور بے وفائی نہ کرے، جس سے کسی کو خیانت، ظلم اور زیادتی کا اندیشہ نہ ہو، جو ہر شخص کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اور کسی کو اس کی سیرت و کردار پر انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے، وہ خواہ کیسے ہی بگڑے ہوئے معاشرے میں رہتا ہو، بہر حال اُس کی قدر ہو کر رہتی ہے، اُس کی طرف دل کھینچتے ہیں، نگاہوں میں اُس کی عزت قائم ہو جاتی ہے، اُس کا اپنا قلب و ضمیر بھی مطمئن ہوتا ہے اور معاشرے میں بھی اس کو وہ وقار حاصل ہوتا ہے جو کبھی کسی بدکردار آدمی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہی بات ہے جو سورہ نحل میں فرمائی گئی ہے کہ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً ۖ ثُمَّ نَخْلُسُ عَنْهُ مِثْرَ الَّذِي كُنَّ عَمِلُوْنَ (سورہ نحل، آیت ۹۷)۔ اور اسی بات کو سورہ مریم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۚ يٰۤاٰمِنٰٓءُ جو لوگ ایمان لاتے اور جنہوں نے نیک عمل کیے رحمان اُن کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ (آیت ۹۶)۔ پھر یہی وہ راستہ ہے جس میں دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کے لیے سرور ہی سرور اور راحت ہی راحت ہے۔ اس کے نتائج عارضی اور وقتی نہیں بلکہ ابدی اور لازوال ہیں۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ہم اُسے اس راستے پر چلنے کے لیے سہولت دیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ بھلائی کی تصدیق کر کے یہ فیصلہ کرے گا کہ یہی راستہ میرے لائق ہے اور بُرائی کا راستہ میرے لائق نہیں ہے، اور جب وہ عملاً مالی ایثار اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرے یہ ثابت کر دے گا کہ اُس کی یہ تصدیق سچی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس راستے پر چلنا اُس کے لیے سہل کر دے گا۔ اُس کے لیے پھر گناہ کرنا مشکل اور نیکی کرنا آسان ہو جائیگا۔ مالِ حرام اُس کے سامنے آئے گا تو وہ نہیں سمجھے گا کہ یہ نفع کا سودا ہے بلکہ اُسے یوں محسوس ہوگا کہ یہ آگ کا انگارہ ہے جسے وہ ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ بدکاری کے مواقع اس کے سامنے آئیں گے تو وہ انہیں لطف اور لذت حاصل کرنے کے مواقع سمجھ کر ان کی طرف نہیں لپکے گا بلکہ جہنم کے درد از سہ سمجھ کر اُن سے دور بھاگے گا۔ نماز اُس پر گراں ہوگی بلکہ اُسے پسین نہیں پڑے گا جب تک وقت آنے پر وہ اس کو ادا نہ کرے۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے اس کا دل نہیں دکھے گا۔

جس نے بخل کیا اور اپنے خدا سے، بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اُس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟

بلکہ اپنا مال اُسے ناپاک محسوس ہو گا جب تک وہ اس میں سے زکوٰۃ نکال نہ دے۔ غرض ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کو اس راستے پر چلنے کی توفیق و تائید ملے گی، حالات کو اُس کے لیے سازگار بنا یا جائے گا، اور اُس کی مدد کی جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے سورہ بلد میں اسی راستے کو دشوار گزار گھاٹی کہا گیا ہے اور یہاں اس کو آسان راستہ قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے یہ آدمی کو دشوار گزار گھاٹی ہی محسوس ہوتی ہے جس پر چڑھنے کے لیے اُسے اپنے نفس کی خواہشوں سے، اپنے دنیا پرست اہل و عیال سے، اپنے رشتہ داروں سے، اپنے دوستوں اور معاملہ داروں سے، اور سب سے بڑھ کر شیطان سے لڑنا پڑتا ہے، کیونکہ ہر ایک اس میں رکاوٹیں ڈالتا ہے اور اس کو خوفناک بنا کر دکھاتا ہے۔ لیکن جب انسان بھلائی کی تصدیق کر کے اس پر چلنے کا عزم کر لیتا ہے اور اپنا مال راہِ خدا میں دے کر اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کر کے عملاً اس عزم کو پختہ کر لیتا ہے تو اس گھاٹی پر چڑھنا اس کے لیے آسان اور اخلاقی پستیوں کے کھڈ میں لڑھکنا اُس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

لکھ یہ انسانی مساعی کی دوسری قسم ہے جو اپنے ہر جز میں پہلی قسم کے ہر جز سے مختلف ہے۔ بخل سے مراد محض وہ بخل نہیں ہے جس کے لحاظ سے عام طور پر لوگ اُس آدمی کو بخلی کہتے ہیں جو روپیہ جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے اور اسے نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے نہ اپنے بال بچوں پر، بلکہ اس جگہ بخل سے مراد راہِ خدا میں اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مال صرف نہ کرنا ہے اور اس لحاظ سے وہ شخص بھی بخلی ہے جو اپنی ذات پر، اپنے عیش و آرام پر، اپنی دلچسپیوں اور تفریحوں پر تو خوب دل لھول کر مال لٹاتا ہے، مگر کسی نیک کام کے لیے اس کی جیب سے کچھ نہیں نکلتا، یا اگر نکلتا بھی ہے تو یہ دیکھ کر نکلتا ہے کہ اس کے بدلے میں اسے شہرت، نام و نمود، محکام رسی، یا کسی اور قسم کی منفعت حاصل ہوگی۔ بے نیازی برتنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیا کے مادی فائدوں ہی کو اپنی ساری تنگ و دو اور محنت و کوشش کا مقصود بنا لے اور خدا سے بالکل مستغنی ہو کر اس بات کی کچھ پروا نہ کرے کہ کس کام سے وہ خوش اور کس کام سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ رہا بھلائی کو جھٹلانا، تو وہ اپنی تمام تفصیلات میں بھلائی کو پیچ مانسنے کی ضد ہے، اس لیے اس کی تشریح کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ بھلائی کی تصدیق کا مطلب ہم واضح کر چکے ہیں۔

۵۔ اس راستے کو سخت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس پر چلنے والا اگرچہ مادی فائدوں اور دنیوی لذتوں اور ظاہری کامیابیوں کے لالچ میں اس کی طرف جاتا ہے، لیکن اس میں ہر وقت اپنی فطرت سے، اپنے ضمیر سے، خالق کائنات کے بنائے ہوئے قوانین سے، اور اپنے گرد و پیش کے معاشرے سے اُس کی جنگ برپا رہتی ہے۔ صداقت، دنیا، امانت، شرافت، اور عفت و عصمت کی اخلاقی حدود کو توڑ کر جب وہ ہر طریقے سے اپنی اغراض اور خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس کی ذات سے خلق خدا کو بھلائی کے بجائے بُرائی ہی پہنچتی ہے، اور جب وہ دوسروں کے حقوق اور ان کی عزتوں پر دست درازیاں کرتا ہے، تو اپنی نگاہ میں وہ خود ذلیل و خوار ہوتا ہے اور جس معاشرے میں وہ رہتا ہے اُس سے بھی قدم قدم پر لڑ کر اُسے آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہو تو اس روش کی بدولت اُسے طرح طرح کی سزائیں بھگتنی ہوتی ہیں، اور اگر وہ مالدار، طاقتور اور با اثر ہو، تو چاہے دنیا اُس کے زور کے آگے دب جائے لیکن کسی کے دل میں اس کے لیے خیر خواہی، عزت اور محبت کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اُس کے شریکِ کار بھی اس کو ایک غیبت آدمی ہی سمجھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف افراد ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا کی بُری سے بُری طاقتور قومیں بھی جب اخلاق کے حدود بچا نہ کر اپنی طاقت اور دولت کے زعم میں بدکرداری کا رویہ اختیار کرتی ہیں، تو ایک طرف باہر کی دنیا اُن کی دشمن ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف خود اُن کا اپنا معاشرہ جرائم، خودکشی، نشہ بازی، امراضِ نجسہ، خاندانی زندگی کی تباہی، نوجوان نسلوں کی بددہی، طبقاتی کشمکش، اور ظلم و جور کی روز افزوں دبا سے دوچار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ باہم عروج سے گرتی ہے تو دنیا کی تاریخ میں اپنے لیے لعنت اور پٹھکار کے سوا کوئی مقام چھوڑ کر نہیں جاتی۔

اور یہ جو فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو ہم سخت راستے پر چلنے کی سہولت دیں گے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس سے بھلائی کے راستے پر چلنے کی توفیق سب کر لی جائے گی، بُرائی کے دروازے اُس کے لیے کھول دیے جائیں گے، اُسی کے اسباب اور وسائل اس کے لیے فراہم کر دیے جائیں گے، بدی کرنا اس کے لیے آسان ہوگا اور نیکی کرنے کے خیال سے اس کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے اس کی جان پر بن رہی ہے۔ یہی کیفیت ہے جسے دوسری جگہ قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ”جسے اللہ ہدایت بخشے گا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ اسلام کا تصور کرتے ہی اُسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے“ (الانعام، آیت ۱۲۵)۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے ”بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے تو باز“

بے شک راستہ تانا ہمارے ذمہ ہے، اور حقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس بندوں کے لیے نہیں (البقرہ، آیت ۲۶)۔ اور منافقین کے متعلق فرمایا: وہ نماز کی طرت آتے بھی ہیں تو گنہگار ہوتے آتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرتے بھی ہیں تو بادلِ ناخواستہ خرچ کرتے ہیں (التوبہ، آیت ۵۴)۔ اور یہ کہ ”اُن میں ایسے لوگ موجود ہیں جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اُسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں“ (التوبہ، آیت ۱۰۲)۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ ایک روز اُسے ہر حال مرنا ہے اور وہ سب کچھ دُنیا ہی میں چھوڑ جانا ہے جسے اُس نے یہاں اپنے عیش کے لیے فراہم کیا تھا۔ اگر اپنی آخرت کے لیے کچھ کا کر وہ ساتھ نہ لے گیا تو یہ مال اس کے کس کام آئے گا؟ قبر میں تو وہ کوئی کوٹھی، کوئی موٹر، کوئی جائیداد اور کوئی جمع پونجی لے کر نہیں جائے گا۔

یعنی انسان کا خالق ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حکمت، اپنے عدل اور اپنی رحمت کی بنا پر اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ اُس کو دنیا میں بے خبر نہ چھوڑے بلکہ اُسے یہ بتا دے کہ راہِ راست کونسی ہے اور غلط راہیں کونسی، نیکی کیا ہے اور بدی کیا، حلال کیا ہے اور حرام کیا، کونسی روش اختیار کر کے وہ فرمانبردار بن جائے گا اور کونسا رویہ اختیار کر کے بندہ نافرمان بن جائے گا۔ یہی بات ہے جسے سورہ نمل میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ وَعَلَى اللَّهِ فَضْلُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايِزٌ (آیت ۹)۔ ”اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں“ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، الفصل، حاشیہ ۹)۔

مہ اس ارشاد کے کئی مفہوم ہیں اور وہ سب صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا سے آخرت تک تم کہیں بھی ہماری گرفت سے باہر نہیں ہو، کیونکہ دونوں جہانوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری ملکیت دنیا اور آخرت دونوں پر بہر حال قائم ہے خواہ تم ہماری تباہی ہوئی راہ پر چلو یا نہ چلو۔ مگر اسی اختیار کرو گے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑو گے، اپنا ہی نقصان کرو گے، اور راہِ راست اختیار کرو گے تو ہمیں کوئی نفع نہ پہنچاؤ گے، خود ہی اس کا نفع اٹھاؤ گے۔ تمہاری نافرمانی سے ہماری ملک میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی اور تمہاری نافرمانی سے اُس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ دونوں جہانوں کے مالک ہم ہی ہیں۔ دنیا چاہو گے تو وہ بھی ہم ہی سے نہیں ملے گی اور آخرت کی بھلائی چاہو گے تو اُس کا دنیا بھی ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ یہی بات ہے جو سورہ آل عمران آیت ۱۵ میں فرمائی گئی ہے کہ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآٰخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا۔ جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور

میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اُس میں نہیں جھلسے گا مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور اُس سے دُور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اُسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ اور ضرور وہ (اُس سے) خوش ہوگا۔

جو ثوابِ آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم آخرت میں سے دیں گے۔ اور اسی کو سورہ شوریٰ آیت ۲۰ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا فَلْيَافِتْ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۱۰۵۔ جلد چہارم، الشوریٰ، حاشیہ ۲۷)۔

۹۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نہایت شقی کے سوا کوئی آگ میں نہ جائے گا اور نہایت متقی کے سوا کوئی اس سے بچے گا۔ بلکہ یہاں مقصود دو انتہائی متضاد کرداروں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں پیش کر کے اُن کا انتہائی متضاد انجام بیان کرنا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو جھٹلا دے اور اطاعت کی راہ سے منہ پھیر لے دوسرا وہ شخص ہے جو نہ صرف ایمان لائے بلکہ انتہائی خلوص کے ساتھ کسی ریاکاری اور زام و نمود کی طلب کے بغیر صرف اس لیے اپنا مال راہِ خدا میں صرف کرے کہ وہ اللہ کے ہاں پاکیزہ انسان قرار پانے کا خواہاں ہے۔ جو دونوں کردار اُس وقت مکہ کے معاشرے میں سب کے سامنے موجود تھے۔ اس لیے کسی کا نام لیے بغیر لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں دوسرے کہ دارِ والا نہیں بلکہ پہلے کہ دارِ والا ہی جھلسے گا، اور اُس آگ سے پہلے کہ دارِ والا نہیں بلکہ دوسرے کہ دارِ والا ہی دُور رکھا جائے گا۔

۱۰۔ یہ اُس پرہیزگار آدمی کے خلوص کی مزید توضیح ہے کہ وہ اپنا مال جن لوگوں پر صرف کرتا ہے اُن کا کوئی احسان پہلے سے اُس پر نہ تھا کہ وہ اُس کا بدلہ چکانے کے لیے، یا آئندہ اُن سے مزید فائدہ اٹھانے کے لیے اُن کو ہدیے اور تحفے دے رہا ہو اور اُن کی دعوتیں کر رہا ہو، بلکہ وہ اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے ایسے لوگوں کی مدد کر رہا ہے جن کا نہ پہلے اُس پر کوئی احسان تھا، نہ آئندہ ان سے وہ کسی احسان کی توقع رکھتا ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ہے کہ مکہ معظمہ میں جن بے کس غلاموں اور لونڈیوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اس تصور میں جن کے

مالک ان پر بے تحاشا ظلم توڑ رہے تھے، اُن کو خرید خرید کر وہ آزاد کر دیتے تھے تاکہ وہ اُن کے ظلم سے بچ جائیں۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر کو اس طرح اُن غریب غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر اُن کے والد نے اُن سے کہا کہ بیٹا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر تم یہی روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لیے قوت بازو بنتے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے کہا ای ابد انسا ادیب ما عند اللہ؟ ابا جان، میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے۔“

اللہ اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ مزور اللہ اُس سے راضی ہو جائیگا۔ دوسرے یہ کہ غمگین اللہ اس شخص کو اپنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔